Shafiqur-ur-Rehman and his Contemporary Creators (A comparative study of Fiction and Humor)

شفیق الرحمن اور اُن کے معاصر تخلیق کار

(افسانہ اور مزاح نگاری کا تقابلی مطالعہ)

Prof. Dr.Riaz Hussain*[1]
Ex Chairmain, Department Of Urdu, Government Graduate College Civil line, Multan.
Prof. Dr.Muhammad Javed Pitafi*[2]
Ex Chairmain, Department Of Urdu, Government Graduate College, Rajanpur.

☆[1] **پروفیسر ڈاکٹر ریاض حسین**
سابق چیئر مین، شعبہ اردو ، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج، ملتان
☆[2] **پروفیسر ڈاکٹر محمد جاوید پتافی**
سابق چیئر مین، شعبہ اردو، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج، سول لائنز، راجن پور

Correspondance: profjaved253@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 22-07-2025
Accepted:24-09-2025
Online:29-09-2025

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Shafiqur Rehman is one of the renowned humorists in Urdu literature. He enjoyed vast leadership of many prose writers like Niaz Fateh Puri, Hijab Imtiaz Ali, Qurat-ul-Ain Haider, Pitras Bukhari and Ibne-Insha. It is a pity for versatile writer that critics neglect his creative genius at the cost of others. In this article, it will be tried to compare Shafiq-ur-Rehman with other prose writers of Urdu literature by putting him and the galaxy of his contemprorary humuorous writers and fiction creators.

KEYWORDS: Shafique Ur Rehman, Biography, Short Stories, Fiction, Satyre , Humour, Introvert, Extrovert, Genere.

شفیق الرحمن کی سوانح، شخصیت، مزاح، افسانہ، سفر نامہ اور ترجمہ کی مختلف جہتوں کے مطالعے کے بعد یہ سوال اہم ہے کہ اُن کی تخلیقی صلاحیتیں کس صنف میں بہتر ہیں کیونکہ مزاح لکھنے والا شفیق الرحمن جب افسانے کی دنیا میں دکھائی دیتا ہے تو وہاں ایک مختلف مزاج کا تخلیق کار ہے۔ اس کی شخصیت کی داخلی اور خارجی پرتیں بھی مختلف ہیں اور اس کی کہانی بننے کی صلاحیت بھی صنف کے ساتھ بدل جاتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کسی بھی ادیب یا شاعر کے فن کا جائزہ اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُس عہد کی ادبی روایت اور اس کے معاصرین کی ادبی خدمات کے تناظر میں اس کی صلاحیتوں کا جائزہ نہ لیا جائے کیونکہ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کوئی ادیب یا شاعر اپنے عہد کی ادبی روایت کی کس حد تک پاسداری کرتا ہے اور اُس نے اپنی صلاحیتوں سے ادب میں کیا اضافے کیے ہیں، نیز وہ کن لوگوں سے متاثر ہوا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اِس دَور میں ترقی پسند افسانہ کے حوالے سے پریم چند، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، منٹو، غلام عباس، انتظار حسین اوراحمد ندیم قاسمی اور رومانی افسانہ نگاروں میں سجاد حیدر یلدرم، علامہ نیاز فتح پوری، مجنوں گورکھ پوری، ابوالکلام آزاد، ل۔احمد جب کہ طنزومزاح میں فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، کرشن چندر، منٹو، عصمت چغتائی شامل ہیں۔ شفیق الرحمن کے زمانے میں نمائندہ رومانی افسانہ نگاروں میں میرزا ادیب، قرۃالعین حیدر اور اے حمید نمایاں ہیں جبکہ مزاح نگاروں میں کنہیالال کپور، ابن انشاء اور محمد خالد اختر قابل ذکر ہیں۔ ان ادیبوں کے فن کا جائزہ لینے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم شفیق الرحمن کے عہد کے سیاسی و سماجی پس منظر کا جائزہ لیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس دور کے ادیبوں کی طنزومزاح کے سرچشمے کہاں سے پھوٹتے ہیں۔

شفیق الرحمن کا پہلا افسانہ "ارشد کی روح" عالمگیر لاہور، اگست ۱۹۳۶ء میں جب کہ پہلا مزاحیہ مضمون "گدھا" اکتوبر ۱۹۳۷ء کے "نیرنگِ خیال" میں چھپا، سیاسی اور ادبی اعتبار سے یہ دور ہندوستان میں اہم دور ہے۔ ہندوستان کی سیاسی زندگی میں شدید اضطراب اور بحران تھا، آزادی کی تحریکوں میں شدّت آچکی تھی۔ ہندو اور مسلمان دونوں کی تحریکوں کا مقصد انگریزوں کے سیاسی تسلط سے نجات تھا۔ مسلمانانِ ہند نے ابھی کھُل کر پاکستان کا مطالبہ نہیں کیا تھا، لیکن مسلمانوں کے بعض رہنماؤں نے الگ ملک کی بات شروع کر دی تھی۔ علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں الٰہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے صدارتی خطبہ میں مجوزہ اسلامی ملک کے خدوخال واضح کر دیئے تھے۔ ہندوستانی نوجوانوں کے شعور نے ان کے اندر قومیت اور آزادی کے جذبے میں شدت پیدا کی۔ اُردو ادب بھی ان سیاسی و سماجی تحریکوں سے براہِ راست متاثر ہوا اگرچہ ان تحریکوں کا آغاز ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے ہوا۔ جنگ کے بعد انگریزوں کو سیاسی فتح ملی تو اُنہوں نے ہندوستان کی معاشرت و سیاست سب کو تبدیل کرنے کی ٹھانی۔ انگریزی علوم و فنون کے مطالعے نے ملکی یا مقامی سطح سے بڑھ کر غیر ملکی علوم و فنون کا شعور دیا، زندگی کے ہر پہلو کو عقل و شعور کی کسوٹی پر پرکھنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔ غیر ملکی

ادب ترجمے کی شکل میں پڑھنے کو ملا اور انگریزی ادب میں مختلف تحریکوں کے اثرات اور مختلف اصناف سے بھی واقفیت ہوئی۔ ملکی و بین الاقوامی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں سے آشنائی ہوئی، جدید علوم وفنون کے ساتھ ساتھ ایک جانب سر سید احمد خان کی تحریکِ علی گڑھ مقصدیت لیے ہوئے تھی تو دوسری جانب اودھ پنچ سے وابستہ ادیب اپنے انداز میں ادب تخلیق کر رہے تھے۔ رومانویت، ترقی پسندی، اصلاح پسندی ہر کوئی اپنے اپنے انداز میں ادب تخلیق کر رہا تھا۔ بیسویں صدی عیسوی میں اردو ادب میں افسانہ، ناول، ڈرامہ، انشائیہ، مزاح مختلف اصناف لکھی جارہی تھیں۔

بیسویں صدی نے بڑے بڑے افسانہ نگار پیدا کیے۔ ان افسانہ نگاروں کی صف میں شفیق الرحمن کا کیا مقام ہے؟ اس موضوع کو کبھی اُردو تنقید کی توجہ حاصل نہ ہو سکی حالاں کہ میرے خیال میں وہ مزاح نگار کے ساتھ ساتھ ایک اچھے افسانہ نگار بھی ہیں۔ اس لحاظ سے شفیق الرحمن کا مرتبہ ان کے معاصرین کے پسِ منظر میں متعین کیا جانا چاہیے۔ شفیق الرحمن کے معاصرین نے عموماً دو طرح کے افسانہ نگاری کو فروغ دیا ہے۔ ان کے زمانے کے افسانے یا تو سماجی ہوتے تھے یا نفسیاتی لیکن شفیق الرحمن کے افسانے نہ تو سماجی ہیں اور نہ نفسیاتی۔ اس لیے اُن کو پریم چند، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، سعادت حسن منٹو، غلام عباس، انتظار حسین اور احمد ندیم قاسمی ایسا افسانہ نگار قرار نہیں دیا جا سکتا البتہ اُن کے افسانوں میں موجود رومانی عناصر کی بنا پر رومانی افسانہ نگاروں کی صف میں جگہ دی جائے گی۔ اُردو ادب میں رومانی افسانوں کا ایک دور سجاد حیدر یلدرم، علامہ نیاز فتح پوری، مجنوں گورکھپوری، ابوالکلام آزاد اور بیگم حجاب امتیاز علی کے ساتھ گزر چکا تھا۔ شفیق الرحمن کی رومانیت اس دور کی رومانیت سے واضح طور پر مختلف ہے۔ ان کے یہاں علامہ نیاز فتح پوری اور ان کے معاصرین کی طرح سے مثالیت پسندی نہیں، نہ ہی اُن کے افسانوں میں محبت کا ماورائی تصور ہے بلکہ بیسوی صدی کی وہ محبت ہے جو کالجوں اور یونیورسٹیوں کی فضا میں پروان چڑھتی ہے۔ ان کے ہاں اُس عہد کے ناآسودہ ذہن کی تسکین کا سامان ملتا ہے، اُداسی، یاسیت حزن و ملال کی کیفیت دکھائی دیتی ہے۔ شفیق الرحمن کے افسانوں کی انہی خصوصیات کی بنا پر اُردو افسانے میں اُن کا مقام اُن کے ہم عصر رومانی افسانہ نگاروں مرزا ادیب، قرۃ العین حیدر اور اے حمید کے تناظر میں متعین کیا جا سکتا ہے، جہاں تک میرزا ادیب کا تعلق ہے اور ایک تو بڑے رومانی افسانہ نگار کی مانند ان کی کہانیوں میں جذبہ حریت کو اُبھارا گیا ہے لیکن نقادوں نے اُن کے ابتدائی افسانوں کو محض وحشی تخیل کی پیداوار اور فینٹیسی سے مماثل قرار دیا۔ تاہم "صحرا نورد کے خطوط" اور صحرا نورد کے رومان" ایسے مجموعے ہیں جو اُن کی شناخت بن گئے، البتہ ان کے مجموعے "ساتواں چراغ" کے افسانے اُس معیار کے نہیں ہیں جو اُن کی پہلی کہانیوں کے ہیں البتہ اس مجموعے کا ایک افسانہ "علیا کی ٹلی" اُن کی تخلیقی جوہر کا مظہر ہے اور انتہائی معیاری اور خوبصورت افسانہ ہے۔ اسی طرح اُن کے آخری مجموعے "کرنوں سے بندھے ہاتھ" اور اس سے ذرا پہلے شائع ہونے والے مجموعے "گلی گلی کہانیاں" میں ایک آدھ ایسی کہانی مل جاتی ہے جو فنی اعتبار سے اعلیٰ ہے، تاہم زندگی کے آخری ایام میں لکھے ہوئے بہت سے افسانے روایتی بیانیہ افسانے کے درجے سے نہ بڑھ سکے۔ اُن میں غیر ضروری تفصیل اور نقطۂ نظر کی وضاحت کی آرزو مندی فنی اعتبار سے انہیں دوسرے درجے کا افسانہ نگار ثابت

کرتی ہے اوراس طرح قرۃ العین حیدر کے افسانوں پر نظر دوڑائیں تو ان کے ہاں رومانیت اور مثالیت پسندی کے ساتھ ساتھ انٹیلیکچو ئلزم کا تصور اُبھرتا ہے، وہ ایک عرصے تک متوسط اور بالائی طبقے کی ذہنی دنیا کی اسیر رہیں۔ اُن کے ہاں افسانوں میں تکنیک کے جدید ترین تجربات ہیں اور انگریزی آمیز ایک نئی زبان ہے۔ اُن کا مخصوص فلسفہ حیات کبھی کرداروں کی زبان سے اظہار پاتا ہے تو کبھی بیانات سے، وہ شعور کی رو اور فینٹیسی سے بھی خصوصی کام لیتی ہیں۔ قرۃ العین حیدر کہانی کی تخلیقی فضا بننے میں مہارت رکھتی ہیں۔ کردار، واقعات اور زبان وبیان پر بھی گرفت ہے۔

اے حمید کے افسانوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے افسانوں کا بڑا اور اہم موضوع محبت ہے اور شفیق الرحمن کے افسانوں کا موضوع بھی محبت ہے لیکن اے حمید نے محبت کے المناک اور شفیق الرحمن نے خوشگوار معاملات کو اپنے افسانوں میں جگہ دی ہے۔ اے حمید کے افسانوں کے مجموعے "منزل منزل" کے بعد موضوعات میں تنوع کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے افسانوں میں بظاہر مختلف سرزمینوں، ثقافتوں، عقیدوں اور انسانوں کا ذکر ہے مگر ان کی رومانیت سب کے بارے میں یکساں رویہ رکھتی ہے اور کم و بیش سب ہی کے محسوسات اسی طرح کے ہیں، اُس کی لمبی لمبی کہانیاں زیادہ معیاری نہیں ہیں۔ تفصیل پسندی اُن کا شیوہ ہے جو ابلاغ میں رکاوٹ بنتا ہے جبکہ شفیق الرحمن کہانی کہنے کا سلیقہ جانتے ہیں۔ انہیں کہانی کی زبان اور بیان پر ایسی قدرت ہے جو ان کے بہت کم معاصرین کو حاصل ہے۔ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے جملوں اور اپنی چھوٹی چھوٹی عبارتوں میں بڑی آسانی اور روانی کے ساتھ ہر منظر اُجاگر کرتے چلے جاتے ہیں۔ محمد خالد اختر لکھتے ہیں کہ

> شفیق سہل نویس نہیں ہے، جیسا کہ اس کی نثر کی بے ساختہ روانی سے کئی ایک کو گمان ہو گا۔ اس نے آج تک کوئی چیز قلم برداشتہ یا ایک نشست میں نہیں لکھی۔ جب کسی چیز یا کہانی کے جراثیم اس کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں تو وہ اس پر اچھی طرح سوچتا ہے، اپنے دوستوں سے مشوروں کی خاطر اس پر بحث کرتا ہے، اپنی کاپی بک کے بیسیوں صفحے کرداروں کے اسکیچوں اور پلاٹ کے ارتقا کے مختلف ممکنات سے سیاہ کر ڈالتا ہے۔ کئی کئی ہفتے وہ ایک بھینس کی طرح اس آئیڈیا کی جگالی کرتا رہتا ہے، اور جب تک اسے پورا اطمینان نہیں ہو جاتا، وہ اصل کہانی کا لکھنا شروع نہیں کرتا۔ "پچھتاوے" اور "مدوجزر" کی اکثر کہانیاں دو تین مہینے کی مسلسل سوچ اور محنت کا نتیجہ ہیں۔ اکثر وہ ایک کہانی کو دوبارہ اور سہ بارہ لکھے گا اور اسے اشاعت کے لیے اس وقت تک نہ بھیجے گا جب تک اس کا فنکارانہ ضمیر اسے یہ نہیں کہے گا، "اسے اشاعت کے لیے بھیج دو، یہ اچھی چیز ہے۔" وہ ایک بے حد دیانت

دار فنکار ہے۔ وہ اپنے پڑھنے کو سونے کے بدلے پیتل دے کر دھوکا نہیں
دیتا۔"(1)

ان کے افسانوں میں شگفتگی کے عناصر کو ظرافت سے گڈ مڈ نہیں کر سکتیکیوں کہ انہوں نے اپنی نثر میں دو طرز اسلوب اپنائے ہیں۔ ایک میں مزاح اور دوسرے میں زندگی کی سنجیدگی کو لیکن اس انداز میں کہ ان کی ذاتی زندگی کے تجربات، ارد گرد کی دنیا، ملکی اور بین الاقوامی سطح کے تجربات کو وہ جب بیان کرتے ہیں تو کبھی کبھی یہ بھی فراموش کر دیتے ہیں کہ وہ کہانی لکھ رہے ہیں۔ ہر منظر اور واقعے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے اُن کے اندر انفرادیت کا احساس موجود ہوتا ہے۔ "دجلہ" میں "دھند" ان کا طویل مختصر افسانہ ہے جس سے انہیں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کے متعلق ڈاکٹر انوار احمد اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"دجلہ" کو سی۔ ایس۔ ایس کے نصاب میں شامل کیا گیا اور پاکستان کی مقتدر کلاس میں شمولیت کی وجہ سے کسی بھی مہذب شخص کے لیے اس افسانے کے بارے میں گفتگو کرنا آسان ہو گیا حالانکہ قرۃ العین حیدر اور محمود نظامی کی تحریروں کے سائے میں اس کی الگ شناخت آسان نہیں۔"(2)

شفیق الرحمن کا تعلق ایک ایسے ادارے سے تھا جہاں سرکاری حلقوں میں تو انہیں خاصی پذیرائی ملی، لیکن ادبی حلقوں میں کم۔ اس کی وجہ اعلیٰ عہدوں پر اُن کی تعیناتی کے علاوہ ادیبوں سے دُوری کے علاوہ اُن کی تخلیقی صلاحیتیں بھی ہیں۔ افسانہ نگار کے طور پر ان کا بہتر تخلیقی جوہر "دجلہ" کی کہانیوں میں پیدا ہوا۔ جس نے اُنہیں افسانہ نگار منوایا۔ اس کے علاوہ ان کی دیگر کہانیاں انہیں ادبی حلقوں میں وہ مقبولیت نہیں دے سکیں جو قرۃ العین حیدر اور مرزا ادیب کو افسانہ نگار کے حوالے سے ملی۔ سنجیدہ افسانہ لکھتے ہوئے کبھی کبھی ان کے اندر کا مزاح نگار بھی جاگ اُٹھتا ہے تو وہ کہانیوں کو مزاحیہ افسانے کہنے لگے جو کہانی اور مزاح کے بین بین ہیں۔

شفیق الرحمن کے ہاں موضوعات، کردار اور اُسلوب کی متنوع جہتیں ملتی ہیں۔ انہوں نے انہی کی مدد سے اپنے افسانوں کی فضا اور ماحول تخلیق کیا ہے۔ دلکش اور شگفتہ اُسلوب کی وجہ سے اُنہوں نے اپنے آپ کو اُردو ادب میں ایک منفرد افسانہ نگار کے طور پر منوایا ہے۔ لہٰذا اپنے ہم عصر رومانوی افسانہ نگاروں میں اُن کا مقام متعین تو کیا جا سکتا ہے، لیکن پہلے درجے میں نہیں حالانکہ اس حوالے سے ماہنامہ اُردو کی رائے یہ ہے:

"شفیق الرحمن کے پلاٹ اور کردار زندگی کے واقعی حالات سے زیادہ قریب ہیں اور افسانے بلند پائے کے ہیں جو مغرب کے اُونچے درجے کے افسانوں کے ہم پلہ کہے جاسکتے ہیں۔"(3)

سنجیدہ کہانیوں کے ساتھ اس نے مزاحیہ انداز کے افسانے لکھنے شروع کیے کیونکہ بچپن سے اُنھوں نے سٹیفن لیکاک اور دوسرے مزاح نگاروں کا مطالعہ کر رکھا تھا۔ جاسوسی کہانیاں، سنسنی خیز واقعات پر مشتمل لٹریچر کے مطالعے نے اُن کے اندر ایک تخلیق کار کی تربیت کی تھی۔ "گڈ سولجر شویک" (Good Soldier Schweik) کا مطالعہ اُسے فوجیوں کی زندگی کی بد حواسیوں کے حوالے سے بے حد دلچسپ لگا جو بعد میں اس کی تحریروں کا اہم موضوع بنا اور ہمیشہ وہ انہی کہانیوں کے سحر میں مبتلا رہے۔ محمد خالد اختر جو اُن کے بچپن کے ساتھی بھی رہے کی رائے اس کی تائید کرتی ہے کہ:

"مجھے یقین ہے کہ اگر کوئی اچھی خواہشیں پوری کرنے والی پری اسے اس کے لڑکپن کے زمانے کی چند گھڑیاں واپس دینے پر تیار ہو جائے تو وہ ان گھڑیوں کو چُنے گا جن میں الحمرا کے رومانوں کی پُر اسرار دنیا میں کھویا ہوتا تھا۔ ایک لکھنے والے پر اس کے بچپن اور لڑکپن کی پڑھی ہوئی کتابوں کے اثر کا اندازہ کرنا بڑا مشکل ہے، مگر اس میں کوئی کلام نہیں کہ ان کا اثر گہرا اور دیرپا ہوتا ہے۔ شفیق کی سنجیدہ کہانیوں میں رومانیت اور حسن کی حِس 'الحمرا' کی دین ہے۔"(4)

شفیق الرحمن کی تصنیف "لہریں" (۱۹۴۴ء) شائع ہوئی تو محسوس ہوا کہ اب رومان کے بطن سے ایک ایسا مزاح نگار طلوع ہو رہا ہے جس نے بعد میں بطور مزاح نگار ایک بڑا حوالہ بننا تھا۔ "پرواز"، "حماقتیں"، "پچھتاوے" "مزید حماقتیں"، "دجلہ" اور "دریچے" جب کم وقفے سے شائع ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں آئیں تو ان کا تعارف اعلیٰ پائے کے مزاح نگاروں میں تو ہوا مگر وہ ایسے مزاح نگاروں کی صف میں کھڑے تھے جو فوج سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی مزاح کی اپنی دنیا تھی۔ ان کے تجربے میں زیادہ فوجی بیرکوں میں جنم لینے والے لطیفے فوجیوں کی بد حواسیاں تھیں۔ ضمیر جعفری، کرنل محمد خان اور اسی طرح کے دیگر مزاح نگاروں کی صف میں کھڑے تھے جبکہ محمد خالد اختر، پطرس بخاری، مشتاق یوسفی اور دوسرے مزاح نگاروں سے الگ تھے۔ پہلے مزاح نگاروں کی پذیرائی اعلیٰ مقتدر طبقوں میں تھی تو دوسرے مزاح نگاروں کی پذیرائی عوام اور ادبی حلقوں میں تھی۔

شفیق الرحمن نے اپنی شگفتہ اور ہلکی پھلکی تحریروں سے پڑھے لکھے طبقے خصوصاً نوجوان طلبا و طالبات کو اُس وقت مسحور کیا جب ترقی پسند تحریک کا دَور دورہ تھا۔ ان کی تحریریں ترقی پسند موضوعات سے پاک تھیں۔ اُنھوں نے محض شگفتہ اور

مہذب مزاح ہی کو پیشِ نظر رکھا اور قارئین کو مسرور کُن تخلیقات سے انبساط بخشا۔ انہوں نے ترقی پسند تحریک کے پُر آشوب دَور میں نوجوان طبقے کی صحیح راہنمائی کی نیز انہیں سستی جذباتیت سے دُور رکھتے ہوئے ایک صحت مند قومی نظریۂ حیات اور شعور عطا کیا۔ شفیق الرحمن جو شگفتہ اور صحت مند ادب میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں، مزاح نگاری کے تمام حربوں کو استعمال کر کے اپنی تحریروں میں سمویا ہے۔ یعنی مزاحیہ صورت واقعہ، کردار، لفظی بازی گری، لطائف، موازنہ، بذلہ سنجی، مزاحیہ اِملا، اندازِ بیان اور تحریف وغیرہ۔ اُن کے ہاں طنز کے مقابلے میں مزاح کی فراوانی ہے۔ خالص مزاح کے ہوتے ہوئے اگر کہیں طنز ہے بھی تو اس کو نہایت لطیف پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کی تحریروں میں یہ شگفتگی اور تازگی دانستہ شرارتوں، شوخیوں اور کھلنڈرے پن سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ موضوع، مواد اور اُسلوب سے اس تازگی اور فرحت کے احساس کو پائیدار بناتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دیگر مزاح نگاروں کی صف میں اُنہیں کیا مقام حاصل ہے، تو جہاں تک اُردو ادب کے ابتدائی مزاح نگاروں میں فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، کرشن چندر، منٹو اور عصمت چغتائی کا تعلق ہے تو فرحت اللہ بیگ ان میں ایسے مزاح نگار ہیں جو ماضی کے واقعات، ماحول اور مرحومین کے تذکرے سے مزاح پیدا کرتے ہیں۔ وہ دِلّی کی مٹتی ہوئی تہذیب اور تمدن شاہی رکھ رکھاؤ اور آداب و اطوار، روایات اور دلچسپ شخصیات کے مرقعے کھینچتے ہیں۔ لہٰذا وہ ماضی اور دِلّی سے باہر نہیں نکل سکے چنانچہ اُن کے موضوعات محدود ہیں۔ رشید احمد صدیقی کے مزاح کے تین بڑے موضوعات ماضی، علی گڑھ اور مشرقیت ہیں۔ انہوں نے مزاح پیدا کرنے کے لیے قولِ محال اور دلچسپ تبصروں کے ساتھ الفاظ کی تکرار، صوتی تکرار، جملے میں لفظ کی جگہ تبدیلی سے بھی کام لیا ہے۔ اُن کے مضامین کے مطالعہ سے یہ تاثر اُبھرتا ہے کہ وہ ادبی لحاظ سے معیاری ہیں۔ مثلاً "اہر کا کھیت"، "چارپائی" اس کی واضح مثال ہیں۔ ان میں بذلہ سنجی، شگفتہ طنز، برجستگی، اُسلوب اور ادبی کنائے کا خوبصورت استعمال ہے۔ یہی خوبصورت انداز وہ بعد میں بھی برقرار رکھتے تو اُردو مزاح نگاری میں اُن کا مقام بلند ہوتا، لیکن شاید زندگی کی دیگر دلچسپیوں اور مصروفیات کی وجہ سے وہ زیادہ محنت نہ کر سکے۔ اس لیے "مضامینِ رشید" اور "خنداں" کے معیار میں خاصا فرق ہے۔ علاوہ ازیں رشید احمد صدیقی علی گڑھ کے ماحول، حالات، اشخاص اور روایت کی ہی تصویر کشی نظر آتے ہیں لہٰذا اُن کی تحریروں میں اتنے ادبی اشارے، کنایے اور تلمیحات ہوتی ہیں کہ عام قاری اُن کی تحریر کو پوری طرح سمجھ نہیں سکتا۔

کرشن چندر ایک ایسے مزاح نگار ہیں جنھوں نے ظرافت کے پردے میں طنز کو پیش کیا ہے۔ ان کے ہاں طنز میں بڑی گہرائی اور وسعت ملتی ہے۔ اُن کے خالص طنزیہ مضامین "ہوائی قلعے" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے بعض ابتدائی مضامین میں طنز کی کاٹ اور دھار تیز ہے، لیکن آخری دور کے مضامین مخصوص اُسلوب، طنز کی شدت اور مزاح کی لطافت سے محروم ہو گئے ہیں۔ سعادت حسن منٹو کے فن کی نمایاں خوبی بھی طنز ہے، لیکن کہیں کہیں مزاح بھی ملتا ہے۔ اُن کے مضامین کا پہلا مجموعہ "منٹو کے مضامین"، کالموں کا مجموعہ "تلخ ترش شیریں" اور "اُن کے فرضی خطوط کا سلسلہ"، "اوپر نیچے اور درمیان" اور متعدد مزاحیہ کہانیاں اس حقیقت کی گواہ ہیں، لیکن اُن کے مزاح پر بھی طنز چھائی رہتی ہے۔

عصمت چغتائی کے ہاں بھی مزاح ملتا ہے۔ وہ زبان کے مخصوص استعمال سے مزاح پیدا کرتی ہیں۔ عصمت نے بعض مزاحیہ مضامین بھی لکھے ہیں اور بعض خاکہ نما افسانے بھی جیسے ''سفر میں''، ''ایک شوہر کی خاطر''، ''باورچی، ''محبوب''، ''عشق کا بھوت'' وغیرہ۔ اُن کے طنز کا نشانہ عموماً مرد بنتے ہیں۔ نچلے اور متوسط طبقے کی عکاسی میں کامیاب رہنے کے باوجود عصمت کے ہاں یہ خامی ہے کہ اُن کے بیشتر کردار عصمت ہی کے ذہن سے سوچتے ہیں اور عصمت ہی کی زبان بولتے ہیں اور بعض اوقات یہ حقیقت سے بعید ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر عصمت کے ہاں مزاح کی نسبت طنز زیادہ ہے اور اگر مزاح ہے بھی تو وہ پھیکی ہے اور جہاں تک پطرس بخاری (۱۸۹۸ء-۱۹۵۸ء) کا تعلق ہے تو وہ ایسے مزاح نگار ہیں جنھوں نے مغرب کے مزاح سے استفادہ کیا ہے اور اُن کے مزاحیہ اُسلوب کو اپنانے کی کوشش کی ہے۔ اُن میں انگریزی ادب سے شناسائی کے باعث خالص مزاح کو سمجھنے اور اُس سے محظوظ ہونے کی صلاحیتیں موجود تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا مزاح جو ہزل، پھکڑ اور عامیانہ پن کا حامل تھا۔ یک لخت سنبھلی ہوئی کیفیات کا حامل بن گیا۔ پطرس خالص مزاح کے سب سے بڑے علمبر دار ہیں۔ انہوں نے مزاح نگاری موازنہ، مبالغہ، کردار اور صورتِ واقعہ کو اپنے مزاح کا حربہ بنایا۔ انہوں نے مزاح نگاری یعنی دو چیزوں کو آپس میں بیک وقت مشابہت اور تضاد کا سہارا لے کر ''کُتے'' جیسی تخلیق پیش کر دی۔ علاوہ ازیں انہوں نے تحریف ''لاہور کا جغرافیہ'' جیسے اچھے نمونے پیش کیے ہیں۔ پطرس بخاری کا تحریری سرمایہ اگرچہ محدود ہے۔ اُن کے اِکلوتے مجموعے کے گیارہ مضامین اور چند تحریریں ہیں، لیکن مغربی اُسلوب کو طنز و مزاح میں کمال مہارت سے برتنے میں ان کا درجہ شفیق الرحمن سے کہیں بلند تر ہے۔ کیوں کہ انہوں نے مغربی اُسلوب و فکر کو مقامی ماحول میں ڈھال کر طبع زاد تحریروں کا درجہ دے دیا ہے جبکہ شفیق الرحمن کے ہاں شعوری کاوش صاف جھلکتی ہے البتہ مواد، مقدار اور متنوع موضوعات کے حوالے سے شفیق الرحمن ادبی حلقوں میں زیادہ مقبول ہیں کیوں کہ وہ مزاحیہ ادب کی تاریخ میں ایک گلیمر بوائے کی طرح داخل ہوئے اور چھا گئے۔ جس وقت انہوں نے ہمارے ادب کو اپنی لطیفوں اور لطیف مزاح کے مرغولوں کے کشف زعفران بنانے کا آغاز کیا تو اتفاق سے اس وقت ہمارے نقاد ادب میکانکی عمل جراحی سے گزر رہے تھے چناچہ انہیں محض لطیفہ گو سمجھ لیا گیا۔ وقت گزرنے پر ان کے متعلق یہ رائے پختہ ہوتی گئی حالانکہ اگر اُن کی تحریروں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ مزاح صرف لطائف ہی سے پیدا نہیں کرتے بلکہ دوسرے حربے یعنی واقعات، کرداروں، بذلہ سنجی، لفظی اُلٹ پھیر اور تحریف سے مزاح پیدا کرتے ہیں۔ شفیق الرحمن کی نمایاں خصوصیت اُن کی ظرافت ہے۔ ان کا شمار اُردو کے چند بڑے مزاح نگاروں میں ہوتا ہے طنز بھی کیا ہے مگر وہ مزاح کا انداز اُردو کے دوسرے مزاح نگاروں سے مختلف ہے۔ اُن کا مزاح فرحت اللہ بیگ کی طرح زبان و بیان سے پیدا ہوتا ہے نہ ہی ان کی طنز رشید احمد صدیقی کی طرح مقامی ہے۔ ان کا انداز تحریر پطرس سے بھی مختلف ہے۔ وہ اُن کی طرح صرف واقعہ نگاری سے مزاح پیدا نہیں کرتے اور نہ ہی اُن کے ہاں شوکت تھانوی کی طرح ظرافت اور مزاح پایا جاتا ہے۔ اُن کا موازنہ ہم مشتاق یوسفی سے بھی نہیں کر سکتے کیونکہ وہ مزاح نگاری میں شفیق الرحمن سے کہیں آگے ہیں۔ البتہ کنہیالال کپور، ابنِ انشاء اور محمد خالد اختر کی مزاح نگاری کے تناظر میں اُن کا مقام متعین کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک کنہیالال کپور (۱۹۱۰ء-

۱۹۸۰ء) کا تعلق ہے تو شفیق الرحمن اُن کی طرح طنز کی نشتر زَنی نہیں کرتے اور نہ کسی خاص انسان کو نشانہ بناتے ہیں بلکہ مختلف طبقات کو پیش کرتے ہیں۔ جس کی واضح مثال اُن کا انشائیہ "ریویو" ہے۔ اس میں اُن نقادوں پر طنز ہے جو دوسروں پر تنقید کرنے بیٹھ جاتے ہیں، لیکن خود میں تنقیدی شعور نہیں ہوتا لہٰذا اُن کی حماقت پر ہنسی اور کم علمی پر رونا آتا ہے۔ شفیق الرحمن سماج کی بدلتی ہوئی اقدار پر بھی طنز کرتے ہیں۔ آج کل کار، کوٹھی اور بینک کو تو اہمیت دی جاتی ہے مگر انسانی جوہر، ذاتی قابلیت کو درخودِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ اس پر "ساڑھے چھ" میں طنز کی ہے۔ اس کے علاوہ فلموں اور دوسری چیزوں پر بھی بے ساختہ طنز کے تیر چلاتے ہیں۔ ویسے بھی ان کا خاص میدان مزاح نگاری ہے۔ مزاح میں وہ اپنے کرداروں، بے ساختہ جملوں اور عجیب و غریب حرکتوں سے جہاں مزاح کی پھلجھڑیاں بکھیرتے چلے جاتے ہیں وہاں بعض اوقات بے ساختہ مزاح میں طنز کا عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے، لیکن ایک ہلکا سا۔ لطیف سا طنز جسے مسکراتا ہوا قاری محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اُن کا ایک مضمون "کلب" ملاحظہ ہو:

"دو پختہ عمر معزز حضرات ایک کمرے میں بیٹھے محو گفتگو ہیں:
"خان صاحب کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"
"نہیں میرے عزیز نہیں ہیں۔ اس روز یونہی اتفاق سے مل گئے تھے۔"
"بلکہ میں تو یہ سمجھتا رہا کہ وہ آپ کے واقف ہیں۔"
"جی نہیں! خیر تو وہ آپ کے عزیز نہیں ہیں۔"
ان کے متعلق کچھ افواہیں سننے میں آتی رہتی ہیں ___ خدا جانے جھوٹ ہیں یا سچ۔"
"میں نے بھی بہت سی باتیں سُنی ہیں۔"
"میرے خیال میں تو یہ افواہیں دُرست ہیں۔"
"بالکل بجا فرماتے ہیں آپ اور ساتھ ہی اوّل درجے کا رشوت خور اور چغل خور ہے۔"
"میرے خیال میں اس قدر بیہودہ اور شرارتی انسانی کلب بھر میں نہیں ہو گا۔"
"واقعی بے حد مردود اور خبیث شخص ہے۔" (کلب، ص ۱۲۳، ۱۲۲)

شفیق الرحمن نے فلموں اور ریڈیو پر بھی طنز کیا ہے۔ اس کا تمسخر اُڑایا ہے۔ یہی دونوں چیزیں کنہیالال کپور کا بھی موضوع بنی رہی ہیں۔ انہوں نے فلموں پر متعدد بار مزاحیہ انداز میں طنز کی ہے۔ "فلمی شاہکار"، "فلم ڈائریکٹر کے

نام" اور" چند مقبول عام فلمی سین" وغیرہ لیکن دونوں کا فرق نمایاں ہے۔ شفیق الرحمن "ہماری فلمیں" میں فلموں کے مضحک پہلوؤں اور اُن چیزوں پر جو فلموں میں مسلمات کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔ وہ اُن پر یوں طنز کرتے ہیں:

"پہلے تو ہم اپنے پروڈیوسر حضرات کی دریا دِلی پر آٹھ آٹھ آنسو بہانے بیٹھ جاتے ہیں کہ ایک فلم خدا جانے کتنی لمبی ہو۔ نعرہ لگائیں اور گانا شروع کر دیں۔" (ہماری فلمیں، ص ۷۰،۶۹)

کنہیالال کپور چند مقبول عام فلموں پر اس طرح طنز کرتے ہیں:

"مجنوں: لیکن لیلیٰ اگر میں خود محبت سے بے تاب ہو جاؤں تو؟
لیلیٰ: اس حالت میں تم اپنا سر میرے کندھے پر رکھ سکتے ہو۔
مجنوں: شکریہ! لیکن تم اپنی محبت کا اظہار کیسے کرو گی؟
لیلیٰ: اس کی فکر نہ کرو۔
مجنوں: پھر بھی۔
لیلیٰ: ہم دونوں مل کر ایک بے معنی دو گانا گائیں گے۔۔۔۔
مجنوں: اور میں فرطِ مسرت سے درخت سے بغل گیر ہو جاؤں گا۔
لیلیٰ: اس طرح ہندوستانی فلموں میں ایک پاکیزہ فلم کا اضافہ ہو جائے گا۔"
([]چند مقبول عام فلمی سین، ص:۱۳۹،۳۸)

دونوں نے فلموں پر طنز کیا ہے مگر انداز جداگانہ ہے۔ جو ان دونوں کے فرق کو واضح کرتا ہے۔ اگر شفیق الرحمن کا "ریڈیو" ہے تو کنہیالال کپور نے بھی "ریڈیو خریدا ہے۔" "شفیق کے ریڈیو سے پروگرام ہو رہا ہے:

"کھڑ ڑ کھڑ ڑ۔ شوں۔ چٹاخ۔
۔۔۔۔چوں چوں۔۔۔۔ میاں مٹھو ہوں۔
گھڑ ڑ۔۔۔ نمک دو روپے چھٹانک۔۔۔
گیہوں ساڑھے پندرہ آنے سیر۔۔۔
یہ ساری شرارت ریڈیو کی تھی۔" (ریڈیو، ص ۳۱)

اب کنہیالال کپور نے جو "ریڈیو خریدا ہے" اس کو دیکھئے:

"مثلاً پہلے جب ریڈیو پر پے دَر پے دھماکوں کی آوازیں سنتا تھا تو سمجھتا تھا کہ شاید کہیں ہوائی حملہ ہو رہا ہے۔ اب مجھے پتہ لگا کہ اگر ایسی آوازیں ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ لاہور ریڈیو اسٹیشن پر قوالی گائی جا رہی ہے۔ اسی طرح اگر عالم نزع میں ایڑیاں رگڑنے اور گڑ گڑانے کی سی آوازیوں سنائی دیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی بزرگ دم توڑ رہے ہیں بلکہ یہ کہ دہلی ریڈیو اسٹیشن سے پکا راگ نشر کیا جا رہا ہے۔" ر(یڈیو خریدا ہے، ص۳۵)

اگرچہ شفیق الرحمن اور کنہیالال کپور کا موضوع ایک ہی ہے مگر شفیق الرحمن نے ان چیزوں پر طنز کی ہے جو واقعی قابلِ گرفت ہیں۔ اس طرح وہ اپنے مضمون میں لاعلمی کا ثبوت نہیں دیتے۔ اس کے برعکس کنہیالال کپور نے جس چیز پر طنز کی ہے وہ قابلِ گرفت نہیں ہے۔ مبالغہ سے دونوں نے کام لیا ہے اور طنز کرتے ہوئے اعتدال قائم نہ رکھ سکے۔ تاہم ان کا مضمون کنہیالال کپور کے مضمون سے زیادہ جاندار رہے۔ ابنِ انشا(۱۹۷۸-۱۹۲۷ء) کی مزاح نگاری کا جائزہ لیتے ہیں کیوں کہ ابنِ انشا اور شفیق الرحمن کے طنز و مزاح میں بہت سے پہلو مشترک ہیں۔ جن میں پیروڈی اور سفر نامہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ابنِ انشا کی شاہکار پیروڈی "اُردو کی آخری کتاب" ہے۔ یہ کتاب اصل میں مولانا محمد حسین آزاد کی تحریر کردہ "اُردو کی پہلی کتاب" کی پیروڈی ہے۔ اس میں ہمارے بچوں کو سالہا سال سے پڑھائے جانے والے مضامین مثلاً تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، سائنس، اُردو گرائمر، حکایات لقمان اور دیگر معلوماتی کتابچوں کی نہایت دلچسپ اور مضحکہ خیز صورت ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے۔ اس کتاب کے آخر میں نصابی کتب کے تتبع میں دیئے گئے سوالات بھی ہیں، جن میں ابنِ انشا کا شگفتہ اُسلوب نمایاں ہے۔ مجموعی طور پر اس کتاب کو ابنِ انشا کا کارنامہ قرار دیا جاسکتا ہے جس میں طنز و مزاح کے متنوع رنگ بکھرے ہوئے ہیں۔

شفیق الرحمن نے بھی پیروڈی لکھی ہے، لیکن انہوں نے اس میں ایک قدم آگے بڑھایا ہے اور کئی ایک تحریفیں لکھی ہیں۔ ان میں قدیم طرز کی پیروڈیاں مثلاً "قصہ حاتم طائی بے تصویر"، "قصہ چہار درویش"، "قصہ پروفیسر علی بابا" اور "تزک نادری" اور اصلاحی اور تفریحی پیروڈیاں "کلید کامیابی حصہ دوم"، "خراٹے"، "کون"، "سفر نامہ سندباد جہازی" اور "زنانہ اُردو خط و کتابت" لازوال پیروڈیاں ہیں۔ موجودہ دور میں تحریف نگاری کی حوالے سے اُن کا کوئی حریف مشکل ہی سے دستیاب ہے۔

ابن انشاء نے کالم بھی لکھے۔ ان کے کالموں کا مجموعہ "خمار گندم" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں مختلف ادبا اور شعراء کے نام خطوط "خط انشاجی کے" کے عنوان سے بھی منظر عام پر آ چکے ہیں۔ انہوں نے سفر نامے بھی لکھے جن

میں چار ان کی زندگی میں اور متفرق اسفار پر مشتمل آخری سفر نامہ ان کی وفات کے بعد "نگری نگری پھرا مسافر" کے نام سے شائع ہوا۔ "چلتے ہو تو چین کو چلیے" (۱۹۶۷ء) ابن انشا کی ہمہ رنگ ظرافت سے بھرپور ہے۔ جبکہ "آوارہ گرد کی ڈائری" (۱۹۷۱ء) پیرس، لندن، جرمنی، ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ، ویانا، قاہرہ، لبنان اور شام وغیرہ کے اسفار کی روداد ہے۔ ۹۰ دن کے سفر کی روداد ۳۷ اقساط یا کالموں کی صورت میں لکھی گئی ہے۔ بعض مقامات پر عجلت اور افراتفری کا بھی واضح احساس پایا جاتا ہے۔ "ابن بطوطہ کے تعاقب میں" (۱۹۷۴ء) میں مراکش کے مشہور زمانہ سیاح ابن بطوطہ کے تتبع میں کیے جانے والے لنکا اور ایران کے اسفار کی وجہ سے تجویز کیا گیا ہے۔ جن کا تذکرہ کتاب کے نصف آخر پر محیط ہے۔ نگری نگری پھرا مسافر (جون ۱۹۸۹ء) ابن انشا کا پانچواں اور آخری سفر نامہ ہے یہ روس کے ایک اور جاپان کے دو سفروں کی شگفتہ روداد ہے۔

ابنِ انشاء کے سفر ناموں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے سفر ناموں میں سفر نامے اور طنز و مزاح کو یکجا کر کے ایک صنف ادب تشکیل دی ہے۔ اس سفر نامے کی ہر سطر میں بے ساختہ مزاح جھلکتا ہے۔ مشتاق یوسفی جیسے بڑے مزاح نگار بھی اپنے عہد کو ابن انشا کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ شفیق الرحمن نے بھی سفر نامے لکھے ہیں جن میں "برساتی" اور دجلہ میں شامل "نیل"، ڈینیوب" اور "دجلہ" قابل ذکر ہیں۔ ان سفر ناموں میں انہوں نے ہندوستان، عراق، مصر، جرمنی کے اسفار کی روداد بیان کی ہے۔ ان کے ہاں سیاح کے جملہ اوصاف باطنی موجود ہیں۔ رومانوی ہونے کی وجہ سے ان کا داخل رنگین اور مضبوط ہے۔ وہ عام راستوں پر سفر نہیں کرتے بلکہ عام ڈگر سے ہٹ کر سیاحت کرتے ہیں۔ سفر نامے میں ان کا مقام ابن انشا سے بلند نہیں ہے کیوں کہ ابن انشا نے شعوری طور پر سفر نامے تحریر کیے ہیں اور سفر نامے کے تقریباً تمام تقاضوں کو نبھایا ہے اور سادہ اسلوب میں پرکاری اور گل کاری کر کے سفر نامے میں مزاح کا اعلیٰ معیار قائم کیا ہے۔

محمد خالد اختر (۱۹۲۰-۲۰۰۲ء) شفیق الرحمن کے بچپن کے دوست اور ہم جماعت تھے۔ وہ طنز و مزاح نگاری میں بھی شفیق الرحمن کے ہم عصر ہیں۔ یہاں تک کہ طالب علمی کے زمانے میں بہت سی کتب کا مطالعہ بھی اکٹھے کیا اور ابتدائی تربیت بھی ایک ہی جگہ ہوئی۔

شفیق الرحمن اور محمد خالد اختر کا زمانہ شوق اور شخصیت میں بہت سے پہلو ایک جیسے ہیں۔ دونوں سیر پر نکل جاتے ہیں اور خوب اونچے اونچے قہقہے ان کی تصانیف میں دکھائی دیتے ہیں۔ محمد خالد اختر اپنے آپ کو اسٹیونسن کا چیلا قرار دیتے ہیں جبکہ شفیق الرحمن نے بھی اسٹیونسن، ایلفا آف دی پلو کے مضامین، سٹیفن لی کاک (Stephen Leacoak) پی جی وڈ ہاؤس (P. G. Woodhouse) اور مارک ٹوئن (Mark Twain) کو بطور خاص پڑھا اور پسند کیا ہے۔ محمد خالد اختر اور شفیق الرحمن کے اسلوب کا موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دونوں مکمل طور پر مزاح نگار نہیں ہیں اور محمد

خالد اختر شفیق الرحمن سے اس لیے مختلف ہیں کہ انھوں نے اپنی تحریروں میں اگر مزاح پیدا کیا ہے تو مکمل طور پر ان کو اسی ڈگر پہ چلایا جائے اور اگر سنجیدہ لکھا تو اس میں اس کو غالب حیثیت دی ہے۔ شفیق الرحمن اور محمد خالد اختر مزاحیہ اور سنجیدہ دونوں قسم کا ادب تخلیق کیا ہے لیکن اُنھوں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے اعتبار سے مختلف مقام حاصل کیا۔ شفیق الرحمن کے اندر کا مزاح نگار جب افسانے میں شامل ہوا تو اسے افسانہ نہ رہنے دیا اور پھر اُنہیں اس کو مزاحیہ افسانہ قرار دیا ، حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ کہانی کی بنیاد پر اگر مزاحیہ افسانہ لکھا جاتا تو پھر پطرس کی کہانیوں کو بھی افسانے قرار دیا جاسکتا۔ مگر اردو ادب میں وہ آج بھی صرف مزاح نگار کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔

شفیق الرحمن کی کہانی مزاح سے شروع ہوتی ہے تو مزاح لکھتے ہی چلے جاتے ہیں لیکن پھر اچانک صفحوں کے صفحے سنجیدہ تحریر کرتے ہیں جبکہ محمد خالد اختر کی مزاحیہ کتابیں صرف مزاح پر ہیں وہ اپنی توجہ کسی اور جانب مبذول نہیں کرتے۔ محمد اجمل نیازی مزید "شفیق الرحمن میں" لکھتے ہیں:

"لوگ انہیں بہت بڑا مزاح نگار سمجھتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ پورے مزاح نگار نہ تھے۔ یہی ان کی انفرادیت ہے"۔[5]

شفیق الرحمن کے ہاں موضوعات، کردار نگاری اور اسلوب کی متنوع جہتیں ملتی ہیں۔ ان کے ایک نئی فضا اور ماحول تخلیق ہوا ہے۔ اس ماحول اور فضا کو انہوں نے اپنے افسانوی کرداروں سے مرصع کیا ہے۔ سب سے بڑھ کر دلکش اسلوب بیان کی وجہ سے انہوں نے اپنے آپ کو بڑا مزاح نگار منوایا ہے۔ جبکہ محمد خالد اختر کی زبان انگریزیت زدہ ہے اور ان جملوں کی ساخت اور الفاظ کی ترکیب نشست قواعد کی رو سے بہت محکم نہیں ہوتی۔ وہ اپنے طنز و مزاح کے لئے کبھی فنٹیسی کا پیکر استعمال کرتے ہیں تو کبھی پیروڈی کا برلسک کا اور کبھی فارس کا۔ ن اصناف کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لئے اگر ہم شفیق الرحمن کی تصانیف کو پڑھنے کے بعد محمد خالد اختر کی تصانیف کو پڑھیں تو ہمیں اندازہ ہو گا کہ ہم کسی جنت ارضی کی سیر کرتے ایک دم حقیقت کی دنیا میں آ گئے ہیں۔

محمد خالد اختر کی زبان و بیان سادہ ہے۔ ان کے کردار بھی معاشرے کے عام کردار ہیں اور ان کے منہ سے ادا ہونے والے الفاظ بھی عام فہم ہیں۔ وہ اپنی علمی قابلیت جھاڑنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ سادہ لوحی سے طنز کو مزاح کے تیر سے پھینکتے ہیں جبکہ محمد خالد اختر شفیق الرحمن کی تحریروں کی شگفتگی اور روانی کے قائل ہیں۔ اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس کی رواں، نرمل اور شگفتہ نثر ایک قدرتی پہاڑی ندی کی طرح اُچھلتی اور نغمے سناتی بہتی جاتی ہے۔ اس کی انشا کی قوت پیدائشی اور طبعی ہے۔ اس کی نثر اپنے کئی مشہور ہم عصروں کی نثر کی طرح دھچکوں اور ہچکچاہٹوں کے

ساتھ آگے نہیں بڑھتی اور کہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ اس کا قلم چلتے چلتے رُک گیا ہے۔ اسے شاذونادر ہی صحیح لفظ یا موزوں استعارے کے لیے سوچنا پڑتا ہے۔ ایک بڑے ذہین اور سلجھے ہوئے ترقی پسند افسانہ نگار نے ایک دفعہ میرے سامنے اقرار کیا، 'جہاں تک انشا کا تعلق ہے، خالص نیریٹو (Narrative) کا، شفیق کا مقابلہ ہم میں سے بہت کم کر سکیں گے۔ اس کا ہلکا، خوبصورت اُسلوب، جو ہر قسم کے مطلب کا بار آسانی سے اُٹھا سکتا ہے، واقعی قابلِ رشک ہے۔"(6)

شفیق الرحمن کے "شگوفے"، "لہریں"، "پرواز"، "حماقتیں"، "مزید حماقتیں" سفر نامہ "دجلہ" اور "دریچے" ایسے مجموعے ہیں جو اپنے آغاز سے اختتام تک قہقہے اور شوخیاں اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ "پچھتاوے" میں وہ انتہائی غمگین اور اداس دکھائی دیتے ہیں۔ انسان کی یہ تلخی ان کے دیگر مجموعوں میں خفیف فکر کا روپ دھار لیتی ہے۔ ان کے ہاں موضوعاتی واسلوبیاتی تنوع انہیں اُردو ادب میں ایک معتبر مقام دیتا ہے جبکہ محمد خالد اختر کی تخلیقات میں طنز و مزاح پر مبنی مواد زیادہ ہے۔ "بیس سو گیارہ" "چاکیواڑہ میں وصال" "چچا عبد الباقی کی شگفتہ کہانیاں" "لالٹین" جس میں اک ناولٹ "مسکراتا ہوا بدھ" بھی ہے۔ ان کے مزاح کی بنیادی شناخت غالب کے مکاتیب کے اسلوب میں پیروڈی ہے۔ سفر نامہ 'یا ترا" میں کہیں کہیں مزاح کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں چچا عبد الباقی کی شگفتہ کہانیاں مزاح نگاری کا مکمل ثبوت ہیں۔ شفیق الرحمن نے بھی خاکے، پیروڈیاں اور مزاحیہ مضامین سیاحت نامے تحریر کیے ہیں۔ دونوں مصنّفین کی تحریریں پڑھ کر بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں کا مقصد حیات ایک ہے۔ لیکن شفیق الرحمن اول و آخر مزاح نگار ہیں۔ شفیق الرحمان کا مزاح ایک ذہین آدمی کی ہنسی سے تحریک پاتا ہے۔ وہ کسی نہ کسی واقعہ میں کوئی ناہمواری دریافت لیتے ہیں اور پھر اسی سے مزاح پیدا کرتے ہیں۔ ان کے ہاں قہقہہ بھی ہے اور ہلکی سی مسکراہٹ کا سامان بھی۔ ان کی پیروڈی "تزک نادری عرف سیاحت نامۂ ہند" مزاحیہ ادب میں ہمیشہ زندہ رہنے والا کارنامہ ہے اس میں شفیق الرحمان نے اسلوب کی بھی تحریف کی ہے اور تاریخ نویسوں اور تزک لکھنے والوں کا بھی مذاق اُڑایا ہے۔ علاوہ ازیں "تعویز" اور "ننانوے ناٹ آؤٹ" بڑے معرکے کے مضامین ہیں۔ شفیق الرحمان کے ہاں لفظی الٹ پھیر اور واقعاتی مزاح بھی ملتا ہے، ضعیف (الاعتقادی)، غلط رسوم ورواج اور زندگی کے مختلف ناہمواریاں اُن کے مزاح کے لیے پس منظر کا کام دیتی ہیں۔

اُن کے مضامین "زیادتی"، "ریڈیو"، "زنانہ اُردو خط و کتابت"، "ٹیکسلا سے پہلے اور ٹیکسلا کے بعد"، "سفر نامہ جہاز باد سندھی"، "تزک نادری"، "کلید کامیابی" (حصہ دوم) اور "قصہ پروفیسر علی بابا کا" یادگار اور قابل تحسین ہیں۔ وہ تیز جملوں اور بے باک شوخ جملوں سے بھی لطافت پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً جب ہمیشہ رونے والے امجد کا تعارف ہمیشہ ہنسنے والی بڑی بی سے کروایا جاتا ہے تو شیطان امجد سے پوچھتا ہے کہ تمہیں کونسا ساز پسند ہے؟ امجد کہتا ہے "گراموفون" اسی طرح

جب اُس سے پوچھا جاتا ہے کہ تمھیں کونسی رومانی کتاب پسند ہے؟ تو جواب ملتا ہے "ڈکشنری"۔ یہی برجستگی، بے تکلفی اور شگفتہ نگاری ہر مضمون میں ملتی ہے۔ وہ ہماری تقلیدی اور مصنوعی زندگی پر بڑے پُر لطف انداز میں تبصرہ کرتے ہیں۔ ریستورانوں، کلبوں اور خوش حال معاشرے میں رواں دواں زندگی اُن کے ہاں ملتی ہے۔ وہ غریبوں کی زندگی کی ناہمواریوں کو اپنے مزاح کا ذریعہ نہیں بناتے بلکہ اُن کا موضوع ایک خوشحال اور امیر معاشرہ ہے۔ وہ امیر نوجوانوں کی بو کھلاہٹوں اور بدحواسیوں کو پیش کرتے ہیں۔ "کلید کامیابی" ان کی معروف تحریف ہے۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "محبوب سے ملاقات کے وقت پوشاک سادہ ہو، رومال پر خوشبو نہ چھڑکیے کہیں محبوب یا آپ کو زکام نہ ہو جائے۔ خوراک سادہ ہو، پیاز اور لہسن کے استعمال سے گریز کیجئے۔ مونچھوں کو ہرگز تاؤ نہ دیجئے ورنہ محبوب خوف زدہ ہو جائے گا۔" (7)

اُن کی ظرافت اور جملے بازی کی مثال کے لیے ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

> "بیٹی اب آ بھی جاؤ۔۔۔ اتنی دیر کر دی۔۔۔ چشتی صاحب کار کی طرف دیکھ کر چلائے۔۔۔ اتنی دیر سے کہہ رہی ہوں بس ایک منٹ میں آتی ہوں۔۔۔ ہم سب مڑ کر دیکھنے لگے۔۔۔ دروازہ کھلا اور کوئی چیز بلّا ہاتھ میں لیے نکلی جو چند لمحوں کے لیے لڑکی سی معلوم ہوئی۔" (8)

شفیق الرحمن کے ہاں زندہ دلی ملتی ہے۔ وہ مر مر کے جیئے جانے کے قائل ہیں۔ وہ مردہ دلوں کو بھی زندگی کی توانائی بخشتے ہیں۔ لطائف اور مضحک واقعات کا تسلسل اُن کی تحریروں کو نہایت دلچسپ اور لائق مطالعہ بنا دیتا ہے۔ طنز کا عنصر اُن کے ہاں تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی بنا پر انہیں تفریحی ادب کا بانی بھی قرار دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ریحانہ پروین رقم طراز ہیں:

> "ڈاکٹر شفیق الرحمن نے اپنے خیالات کو فلسفیانہ انداز میں مشکل الفاظ سے اگر پیش کیا ہوتا تو اُن کا یہ پیغام ہرگز مقبول نہ ہوتا اور نہ ہی ہر خاص و عام تک پہنچ سکتا۔ وہ محدود ہو کر رہ جاتا اور اپنا اثر بھی کھو دیتا۔ یہی ڈاکٹر شفیق الرحمن کی سب سے بڑی دین ہے کہ اُنھوں نے عام فہم جذبات اور خیالات کو مفکرانہ انداز میں نہ بیان کر کے ایک کام انجام دیا ہے، اس لیے انھوں نے مزاح کا سہارا لیا۔ لطیفے سنائے، پیروڈیاں لکھیں، لیکن اپنی بات، اپنا

مقصد، اپنا پیغام ہر ایک تک پہنچا دیا اور آج ڈاکٹر شفیق الرحمن کا شمار اُردو کے صفِ اوّل کے افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ اُن کے اُسلوب اور طرزِ نگارش کے اعتبار سے اُن کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ اُنھوں نے اپنی روایت خود الگ قائم کی ہے۔ وہ اپنے طرزِ تحریر کی کھنک کے باعث اُردو ادب کے واحد ایسے افسانہ نگار ہیں جن کا کسی سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔"(9)

اُن کے مزاح کے بارے میں محمد حسن عسکری لکھتے ہیں:

"'سارے 'نئے ادب میں لے دے کر ایک شفیق الرحمن صاحب ہیں جنہوں نے تفریحی ادب کی طرف توجہ کی ہے۔ یہ شگفتگی، یہ لا ابالی پن، یہ مچلتی ہوئی جگمگاہٹ، بس انہیں کا حصہ ہے۔"(10)

حقیقت بھی یہی ہے کہ شفیق الرحمن کی کئی تحریروں کا مقصد ہنسنا ہنسانا اور خوش رکھنا ہی ہے وہ کوئی مصلح یا واعظ نہیں بلکہ خالص مزاح کے علمبردار ہیں۔ ابن اسماعیل کی رائے میں:

"پھر شروع ہو جاتی ہے لطیفوں کی بارش، لطیفے ہی لطیفے، پے در پے لطیفے، بات بات پر قہقہہ، بس میٹھے کا مزا آتا ہے لیکن میٹھا زیادہ ہو جائے تو طبیعت اُدب جاتی ہے۔ مگر یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ طبیعت اُدب جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اور زیادہ اور زیادہ کا تقاضے پر مجبور ہو جاتی ہے۔"(11)

شفیق الرحمن الفاظ کے دل کش استعمال، تحریر کی شوخی اور چلبلے پن کے باعث ایک تازگی اور شگفتگی کا احساس دلاتے ہیں جیسا کہ حجاب امتیاز علی رقم طراز ہیں کہ:

"شفیق الرحمن کی بہت نمایاں خصوصیت ان کی ظرافت ہے۔ وہ زبان کی لذتوں سے ظرافت پیدا نہیں کرتے۔ چیزوں پر کسی خاص زاویے سے نگاہ نہیں ڈالتے۔ ان میں جو اس سالی کی شوخی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک خاص گھنا پن ہے جو ہر غیر معمولی صورت حالات اور غیر متناسب بات کا مزاحی پہلو فوراً دیکھ لیتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی روانی میں بلا تکلف ننھی ننھی پھلجھڑیاں چھوڑتے چلے جاتے ہیں۔ وہ ان کمیاب لوگوں میں سے ہیں جن کی خوش طبعی اپنے اوپر بلا تکلف ہنس سکتی ہے۔"(12)

شفیق الرحمن کے ہاں طنز بھی ملتا ہے لیکن یہ طنز انتہائی شگفتہ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ خالص مزاح نگار ہیں۔ حتیٰ کہ وہ انگریزی مزاح سے بھی استفادہ کرتے ہیں وہ اپنے مزاح میں لطائف و ظرائف بھی جابجا استعمال کرتے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”شفیق الرحمن تو بالعموم محض لطائف ہی سے مزاح پیدا کرتے ہیں اور ان کے بعض مضامین تو صرف لطائف ہی سے مرتب ہوئے ہیں۔ عام انشا پردازی میں بھی ذو معنی الفاظ اور رعایتِ لفظی سے ان کے مزاح کی تخلیق ہوئی ہے۔ یہاں یہ خطرہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات اس قسم کے مزاح کا انداز بڑا عامیانہ ہو جاتا ہے اور اگر رعایتِ لفظی کا وار ٹھیک نشانے پر نہ بیٹھے تو انشا کا پیش کردہ نمونہ خود نشانہ تمسخر بننے لگتا ہے۔ دوسرے اس قسم کے مزاح کو اگر بڑے بالواسطہ اور فن کارانہ انداز سے پیش نہ کیا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ لکھنے والا ہنسانے کی شعوری کوشش کر رہا ہے۔ شفیق الرحمن کو ان ہی دقتوں کا سامنا ہے اور شاید اس لیے ان کے مزاح میں جان پیدا نہیں ہو سکی۔ علاوہ ازیں ان کے مزاح کی عام سطح بھی بلند نہیں اور مجموعی طور پر اس میں کھلنڈرا پن نظر آتا ہے۔“(13)

وزیر آغا کی شفیق الرحمن کے بارے میں یہ رائے سو فیصد درست نہیں کیونکہ شفیق الرحمن کے ہاں رعایتِ لفظی اعتدال کے ساتھ ہے وہ مزاح کی بنیاد دراصل بذلہ سنجی پر رکھتے ہیں البتہ اُن کے چند مضامین لطیفوں کو جوڑ کر بنائے گئے ہیں۔ ان کے مزاح کا سرچشمہ زندگی سے محبت اور خوش رہنے کی خواہش ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ زندگی صرف کامیابیوں سے ہی عبارت نہیں لیکن ان تمام حقائق کے باوجود پُر اُمید نظر آتے ہیں۔ شفیق الرحمن کی مزاحیہ تحریروں کے علاوہ سنجیدہ تحریروں میں بھی مشاہدہ کی سچائی، تجربات کی وسعت اور حقیقتوں کا ادراک موجود ہے۔ ان تحریروں میں گھٹن کی بجائے لطف و تاثیر ہے۔ کیونکہ ان میں بصیرت کی آمیزش اور طنز میں شائستگی کی ملاوٹ نے انہیں مزاحیہ تحریروں کی نسبت زیادہ دل نشیں بنادیا ہے۔ ڈاکٹر ریحانہ پروین لکھتی ہیں:

”ڈاکٹر شفیق الرحمن ایک خالص مزاح نگار ہیں۔ اُس کا ایک ثبوت اُنھوں نے اس طرح بھی فراہم کیا ہے کہ اپنے افسانوں میں بات سے بات پیدا کر کے اور سنے سنائے لطیفوں کو دوبارہ نئے انداز سے اِس خوب صورتی اور برجستگی سے اپنے افسانوں میں سمویا ہے کہ ایک بالکل نئی فضا پیدا ہو گئی ہے

جو تھکے ہوئے ذہنوں کو راحت بخشتی ہے۔ڈاکٹر شفیق الرحمن کے اِس انداز سے مزاح کو بہت فروغ ملا ہے جو قاری کے لیے بہترین تفریح کا سامان فراہم کرتا ہے اور قاری بار بار پڑھتا ہے اور دوسروں کو بھی سناتا ہے۔یہی اِس کا اصل فن ہے۔''(14)

محمد یوسف الدین لکھتے ہیں:

''شفیق الرحمن P.G. Woodhouse اور Stephen Leacock سے بے حد متاثر ہیں، لیکن یہ تاثر نقالی میں نہیں بدلتا بلکہ مغربی ڈھانچہ میں ہندوستان کرداروں اور یہاں کی تہذیبی قدروں کے ساتھ واقعات کے تانے بانے ترتیب دیتے ہیں۔انھوں نے اُردو مزاح نگاری کی تاریخ کو شستگی اور شائستگی ادا کی اور پطرس کی روایات کو آگے بڑھایا۔اُردو میں چند ہی مزاح نگار ایسے ہیں جنھیں دنیا کے بلند پایہ مزاحیہ تخلیق کاروں کی صف میں جگہ دی جاسکتی ہے،شفیق الرحمن اُن میں سے ایک ہیں۔''(15)

شفیق الرحمن نے انشائیہ، خاکہ، افسانہ، کے علاوہ ''دجلہ'' لکھ کر نہ صرف اپنا نام سفر نامہ نگاروں میں لکھوالیا بلکہ ایک انگریزی ناول Human Comedy کا ترجمہ ''انسانی تماشا'' کے نام سے تحریر کر کے اپنا نام مترجم کی حیثیت سے بھی منوالیا ہے۔مسند ظرافت پر گذشتہ نصف صدی سے براجمان شفیق الرحمن نے افسانہ، سفر نامہ، ترجمہ اس لیے لکھا تھا کہ ان کو پڑھنے والا اپنی بے پناہ مصروفیات سے تھوڑا وقت نکال کر ایک لمحے کو لطف اُٹھا سکے۔آج ہم اُن کی تحریروں کے مطالعے سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اُن کی تحریریں زندگی کے روشن اور مثبت پہلوؤں کی عکاسی کرتی ہیں۔وہ مایوسی اور ناکامی کے اندھیروں میں بھی اُمید کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور ان کی تحریروں کے یہی خاص پہلو چھوٹے بڑے تمام عمر کے لوگوں میں مقبولیت کا اہم سبب ہیں۔اُن کی اس روز افزوں مقبولیت اور ہمہ گیری کی وجہ سے اُنہیں اُردو ادب میں بلند مقام حاصل ہے۔نیز وہ اپنے پیش روں اور ہم عصر نگاروں سے مرتبے کے لحاظ سے کسی طرح کم تر نہیں ہیں۔

حوالہ جات

1۔ محمد خالد اختر، شفیق الرحمن، مشمو:لہ: کراچی آج، شمارہ ۵۲، فروری ۲۰۰۵ء، ص:۲۳

2۔انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ قصہ ایک صدی کا، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۷ء، ص:۳۰۷

3۔فلیپ، حما، قتیں لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص:۴

4۔محمد خالد اختر، شفیق الرحمان، مشمولہ: کراچی آج، شمارہ ۵۲، فروری ۲۰۰۵ء، ص:۲۰

5۔محمد اجمل نیازی، مزید شفیق الرحمن، مشمولہ: لاہور: معاصر انٹر نیشنل، ص:۱۸۸

6۔ محمد خالد اختر، شفیق الرحمن، مشمولہ: آج، شمارہ ۵۲، فروری ۲۰۰۵ء، ص:۲۱،۲۰

7۔کلید کامیابی (حصہ دوم)، مزید حماقتیں، :لاہور میری لائبریری، ۱۹۷۰ء، ص:۹۰

8۔ ٹیکسلا سے پہلے، ٹیکسلا کے بعد، مزید حماقتیں، :لاہور میری لائبریری، ۱۹۷۰ء، ص:۲۲۶

9۔ ریحانہ پروین، ڈاکٹر، شفیق الرحمن ایک مطالعہ، نئی دہلی: وجے پبلشرز، ۱۹۹۷ء، ص:۱۰۹

10۔رائے مشمولہ: حماقتیں، :لاہور سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص:۴

11۔ابن اسماعیل، اُردو طنز و مزاح احتساب و انتخاب، سری نگر: گلشن پبلشرز، ۱۹۸۸ء، ص:۹۷

12۔حجاب امتیاز علی، دیباچہ کرنیں، :لاہور سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص:۸،۹

13۔وزیر آغا، ڈاکٹر، اُردو ادب میں طنز و مزاح، :لاہور مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۹ء، ص:۱۹۱

14۔ریحانہ پروین، ڈاکٹر، شفیق الرحمن ایک مطالعہ، نئی دہلی: وجے پبلشرز، ۱۹۹۷ء، ص:۶۱

15۔یوسف الدین ، محمد شفیق الرحمن - شخصیت و فن، مقالہ برائے ایم فِل اُردو، سنٹرل یونیورسٹی حیدر آباد (بھارت)، ۱۹۸۳-۸۲ء، ص:۱۶۱

References:

1. Muhammad Khalid Akhtar, Shafiqur Rehman, Karachi: Aaj, Issue No. 52, February 2005, p. 23.
2. Anwar Ahmad, Dr., Urdu Afsana: Qissa Aik Sadi Ka, Islamabad: Muqtadra Qaumi Zaban, 2007, p. 307.
3. Fleep, Hamaqatain, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2001, p. 4.
4. Muhammad Khalid Akhtar, Shafiqur Rehman, Karachi: Aaj, Issue No. 52, February 2005, p. 20.
5. Muhammad Ajmal Niazi, Mazeed Shafiqur Rehman, Lahore: Ma'asir International, p. 188.
6. Muhammad Khalid Akhtar, Shafiqur Rehman, Karachi: Aaj, Issue No. 52, February 2005, pp. 20–21.
7. Kaleed-e-Kamiyabi (Part II), Mazeed Hamaqatain, Lahore: Meri Library, 1970, p. 90.

8. Taxila Se Pehle, Taxila Ke Baad, Mazeed Hamaqatain, Lahore: Meri Library, 1970, p. 226.
9. Rehana Parveen, Dr., Shafiqur Rehman: Aik Mutalea, New Delhi: Vijay Publishers, 1997, p. 109.
10. Rai, Hamaqatain, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2001, p. 4.
11. Ibn Ismail, Urdu Tanz-o-Mazah: Ihtisab-o-Intikhab, Srinagar: Gulshan Publishers, 1988, p. 97.
12. Hijab Imtiaz Ali, Debacha: Kiranain, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2001, pp. 8–9.
13. Wazir Agha, Dr., Urdu Adab Mein Tanz-o-Mazah, Lahore: Maktaba Alia, 1999, p. 191.
14. Rehana Parveen, Dr., Shafiqur Rehman: Aik Mutalea, New Delhi: Vijay Publishers, 1997, p. 61.
15. Yusufuddin, Muhammad Shafiqur Rehman: Shakhsiyat o Fun, M.Phil Thesis, Central University Hyderabad (India), 1982–1983, p. 161.